رسائل و مسائل

بنکوں کا سود

سوال:- بنک کے سود لینے نہ لینے کا مسئلہ مدت سے متنازعہ فیہ ہے۔ وقت کے تقاضوں سے تو علماء نے اس مسئلہ کو چھیڑا مگر اس کا کوئی حتمی تصفیہ نہ کر سکے۔ شاید کسی قدر اتفاق اس باب میں تو ہو بھی گیا ہے کہ بنکوں سے سود بہرحال لے ضرور لینا چاہیے، کیونکہ اگر وہیں چھوڑ دیا جائے تو اسے یا تو عیسائی مشنری ادارے باطل کی تبلیغ کے لیے لے لیتے ہیں، یا اگر غیر سرکاری سودی اداروں کے پاس رہ جائے تو وہ اسے سود کے حرام کاروبار کو مزید پھیلانے ہی میں استعمال کرتے ہیں۔ گویا سود کی رقم کا بنکوں سے لے لینا ایسا ہی ہے جیسے کہ ڈاکوؤں کے اسلحہ خانہ میں سے چند تیروں کا نکال لانا جو اگر وہیں رہیں تو چند اور جانیں شکار کرنے کے کام آ سکتے ہیں۔ مگر سود کی رقم کے استعمال میں بڑا اہم اختلاف ہے۔ بعض علماء کی رائے میں مناسب یہ ہے کہ اسے بالکل تلف کر دینا چاہیے، اور بعض کا فتویٰ یہ ہے کہ اسے غرباء کو دے دینا چاہیے، کیونکہ دراصل یہ انہیں کی رگوں سے نچوڑا ہوا پسینہ ہوتا ہے۔

اب آپ اس مسئلہ میں تصفیہ فرمائیں کہ صحیح طریق کار کیا ہے؟

جواب:- سود کے روپے کو تلف کرنا یا غرباء کو دے دینا کوئی صحیح رویہ نہیں ہے۔ حقیقی سوال تو یہ ہے کہ سود کا لین دین جائز ہے یا نہیں؟ اور جب یہ قطعی حرام ہے تو آپ کو یہ حق کیسے حاصل ہو گیا کہ آپ کسی شخص یا ادارے سے سود کی رقم وصول کریں۔ اس معاملہ میں یہ عذر پیش کرنا کہ ہمارا سود کا روپیہ اگر سودی ادارے کے پاس رہا تو وہ اسے اپنے حرام اور ظالمانہ کاروبار کو تقویت دینے کے لیے استعمال کرے گا یا اس سے کسی اور باطل ادارہ کو تقویت پہنچے گی، کچھ بھی وزن نہیں رکھتا۔ اسی طرز فکر نے وہ تمام فقہی حیلے ایجاد کیے ہیں جن کے ذریعے دارالحرب اور دارالکفر میں سود لینے کے دروازے کھولے گئے ہیں اور پھر جن لوگوں نے ان خطوط پر مزید جسارت کے ساتھ

اقدام کیا ہے انھوں نے فی الجملہ بنکوں کے سود کو حلال وطیب بنا کر چھوڑا ہے۔

اس سلسلے میں دو اہم نکات آپ کے سامنے ہونے چاہییں۔ ایک یہ کہ پورے نظام دینی میں مرکزی قدر اخلاق کی اور طہارت نفس کی ہے اور اس خزانے کی کوئی رتی دے کر اگر آپ نظام اسلامی یا تحریک اسلامی کو روپے کے انبار بھی لادیں اور مادی قوت کے ذخائر کے ذخائر فراہم کر دیں تو بھی اس عمل کی کوئی جزا اللہ کے ہاں نہیں ہے۔ علیٰ ہذا القیاس باطل کے خزانے سے چند سکے نکال لینے اور اس کے اسلحہ خانہ سے چند تیر اور چند تلواریں اڑا لانے کے لیے آپ کو متاع ایمان و اخلاق کا تھوڑا سا زیاں بھی گوارا ہو تو اسلام کی نگاہ میں یہ سودا خسارے کا سودا ہے۔ آپ کے نظریہ کی رو سے اسلام کو طاقت بہم پہنچانے اور باطل کو شکست دینے کے لیے مضبوط ایمان اور مستقل اخلاق ہی واحد وسائل کار ہیں۔ باقی ساری مادی قوتیں انھیں کے برگ و بار اور انھیں کے زیر اثر ہیں۔ اسی اصول کے ماتحت اگر آپ غور کریں تو بات صاف ہو جائے گی کہ بلاشبہ آپ ایک سودی ادارہ سے اپنے سرمایہ کے سود کے چند ٹکے وصول کر کے اسے ان سے محروم کر دیں گے۔ مگر اس کے ساتھ یہ واقعہ بھی تو ہے کہ خدا اور اس کے رسول اور اس کی کتاب نے جس سود کو حرام کیا تھا اور جسے اپنی ہتھیلی پر لینے اور اپنی جیب میں ڈالنے سے قطعاً روک دیا تھا، آپ نے اسے اپنے ذہن کی سوچی ہوئی ایک مصلحت سے لیا اور پھر جس مصرف پر چاہا اپنے اختیار سے صرف کیا یا اگر ضائع کر دیا تو ایک اور فضول حرکت کی۔ کیا اس سے خود آپ کے ایمان و اخلاق کو اس سے کئی گنا زیادہ نقصان نہ پہنچے گا، جتنا آپ نے باطل کے ایک ادارہ کو مادی پہلو سے پہنچانے کی سعی کی؟ باطل ادارہ کو آپ نے جتنی قوت سے محروم کرنے کی کوشش کی، اس سے زیادہ خود آپ اس عظیم الشان قوت سے محروم نہیں ہوئے جو خدا اور رسول کی اطاعت سے حاصل ہو سکتی تھی؟ پھر باطل کے پاس دولت کے لاکھوں معدن، قوت کے لاکھوں سرچشمے اور کام کرنے کے لاکھوں ذرائع ہیں اور وہ اپنے زیر اقتدار انسانوں کی پوری قوتوں سے من مانے استفادے کر سکتا ہے اور اپنے سارے خسارے خود آپ ہی سے پورا کر سکتا ہے۔ مگر آپ کے پاس تو ایک ہی خزانہ دل کا خزانہ ہے اور ایک ہی دولت ایمان کی دولت ہے اور ایک ہی وسیلہ اخلاق کا وسیلہ ہے۔ اگر اس کو کوئی نقصان پہنچا تو وہ کہاں سے پورا ہوگا اور اس میں کوئی کمی آئی تو اسے کہاں سے غذا لا کے دو گے؟

دوسرا قابل توجہ پہلو یہ ہے کہ مسلمان کی مبلغانہ حیثیت ہر قطعۂ زمین پر اور ہر دورِ زماں میں اس کے ساتھ بالکل چپکی ہوئی ہے اور اسلامی زندگی کا کوئی تصور ایسا نہیں باندھا جا سکتا جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے خالی ہو، خصوصیت سے جب کفر و باطل کا غلبہ ہو اور طاغوت کا اقتدار مسلمانوں پر مسلط ہو تو پھر تو انھیں ہمہ تن تبلیغ و تذکیر ہونا چاہیے! ان کا کام یہ ہے کہ وہ سوسائٹی کے ہر طبقہ اور ہر گروہ اور ہر ادارے اور ہر نظم و انضباط کے سامنے آ کر احقاق حق اور ابطال باطل کریں، اور ہر نیکی کو زبان سے بھی نیک کہیں اور عمل سے بھی اس کا مظاہرہ کریں اور ہر بدی کو زبان سے بھی بدی کہیں اور عملاً اس سے اجتناب کر کے بھی اس کا بدی ہونا واضح کریں ـــــ اس طرح سوسائٹی کے مختلف عناصر اور اس کے مختلف اداروں کے روبرو اسلام کا فکری اور عملی مظاہرہ کیے بغیر وہ اتمام حجت ہو ہی نہیں سکتا جو اقامت دین کے لیے ناگزیر ہے۔ ہر داعی حق جماعت کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ سوسائٹی کے طبقۂ خواص کی غلطیوں کو بھی غلطیاں کہے اور خود ان سے اجتناب کرے، اسی طرح طبقۂ عوام کو بھی ان کی گمراہیوں سے آگاہ کرے اور خود ان گمراہیوں سے بچے، سرمایہ داروں کو بھی ان کی اخلاقی آلودگیوں پر متنبہ کرے اور محنت پیشہ طبقہ کو بھی اور خود ان آلودگیوں سے بچے، مذہبی طبقہ کی کوتاہیوں کو بھی نمایاں کرے اور دنیا داروں کے گروہ کی بداعمالیوں پر بھی ان کو متنبہ کرے اور خود ان کے سامنے ٹھیٹھ اسلامی زندگی کا مظاہرہ کرے۔ اسی طرح طاغوتی حکومت کے باطل ہونے پر فکری و علمی ذرائع سے بھی بحث کرے اور عملاً اس کے ساتھ تعاون کرنے سے پرہیز کر کے اپنے جداگانہ مسلک اسلامی پر نگاہوں کو توجہ دلائے، اس کی عدالتوں کو باطل کہے اور ان کی ججی اور وکالت بھی قبول نہ کرے اور ان کے سامنے استغاثے بھی نہ لے جائے، اس کی فوج کو باطل کی فوج کہے اور خود نہ اس میں شامل ہو اور نہ امداد دے، اس کی تعلیم گاہوں کو بھی باطل کی تعلیم گاہیں قرار دے اور خود نہ اس میں معلمی کرے نہ متعلمی! ـــــ اسی طرح کسی طاغوتی سوسائٹی میں اگر شراب خانے قائم ہوں تو انھیں شیطانی مراکز کہے اور ان سے اجتناب کرے، اور رقص گاہیں موجود ہوں تو ان کو فساد کے گڑھ قرار دے اور اگر فری پاس بھی ملتا ہو تو ان سے لذت اندوز نہ ہو۔ اسی طرح اگر سودی لین دین کرنے والا کوئی بنک پایا جائے تو وہ اسے ایک "معاشی سرطان" کی حیثیت دے اور نہ اس کا ملازم ہو نہ حصہ دار

ان سے لین دین کرنے والا۔ اگر آپ اوپر کے سارے لوازم کو اقامت دین کی تحریک سے وابستہ پاتے ہیں تو آخر کیا وجہ ہے کہ سود کی حرمت کا آپ زبان اور عمل سے پورا پورا مظاہرہ پبلک اور بنک دونوں کے سامنے کرنے کو لازم نہ مانیں؟ کیا ادھر ادارے کے سامنے اور اس کے کارکنوں کے سامنے دین کو بے نقاب کرنا کچھ زیادہ فرض ہے اور بنکوں اور ان کے کارکنوں ہی کا یہ حق دوسروں سے کچھ کم ہے کہ خدا کا دین اور نبی کی شریعت انہی کے سامنے اپنے پورے جمال کے ساتھ رونما ہو؟ باطل کے اور سارے ادارات پر تو اتمام حجت کرنے کے لیے پورا زور صرف کیا جائے اور ایک بنک ہی کے ادارے کو اس کا موقع نہ دیا جائے کہ اسلام اس پر کما حقہٗ فاش ہو؟ آپ ایک داعی حق اور ایک مبلغ اسلام ہونے کی حیثیت سے جب بنک میں تشریف لے جاتے ہیں اور اپنا روپیہ اس کے پاس جمع کراتے ہیں اور پھر اپنے ہاتھوں سے اس سے سود کی رقم وصول کرتے ہیں تو اس کے حصہ داروں اور ڈائرکٹروں سے لے کر اس کے خزانچیوں اور اس کے کلرکوں تک عمل کی زبان سے آپ یہ کہہ آتے ہیں کہ ہم سود اور سودی کاروبار اور سودی اداروں کو باطل نہیں قرار دیتے اور ان سے معاملہ کرنے کو بجا سمجھتے ہیں اور ہمارا تمہارا مسلک اس معاملہ میں ایک ہی ہے۔ پوری قوت اور سرگرمی کے ساتھ سود کے شیطان کو تقویت دیتے رہو، تمہیں کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔ اب آپ لاکھ اسٹیج اور پریس سے اور اپنی ذاتی مجالس میں اس امر کا اعلان کرتے رہیں کہ سود حرام ہے اور ہم لوگ سودی نظام معاشیات کو تباہ کرنے اٹھے ہیں، اس کا اثر عوام پر ہو تو ہو، مگر خود ان بنکوں اور ان کے کارکنوں پر کب ہو سکتا ہے جن سے آپ خود سود لیتے ہیں اور جن کے پاس اپنا سرمایہ سودی اصول پر جمع کراتے ہیں۔ انہیں کیا معلوم کہ اس سود کو لینے میں آپ کی فقیہانہ نیت کیا ہے اور آپ کیسے کیسے نیک ارادوں کے ساتھ اسے وصول کیا کرتے ہیں۔ وہ تو سود لینے والے کی صرف اس نیت کو جانتے ہیں کہ یہ سود لینا چاہتا ہے!

پھر آپ یہ سود بنکوں سے لے کر اگر غربا میں تقسیم کریں گے تو ان سے بجز اس کے اور کیا کہیں گے کہ یہ سود کی رقم ہے اور یہ ہمارے لیے حرام ہے، لو ہم تمہیں دیتے ہیں، اور پھر اس کا اثر کیا عوام پر یہی نہیں پڑے گا کہ سود بھی ایسی چیز ہے جسے مسلمان لے سکتا ہے؟

اس پہلو سے خوب اچھی طرح اگر غور کیا جائے تو بات صاف ہو جاتی ہے کہ بنک سے سود لینے میں اگر چہ بے اصلاح کے فوائد حاصل ہوتے ہوں مگر مسلمان کی مبلغانہ حیثیت بہرحال مجروح ہوتی ہے اور ایمان و اخلاق کو ضرر پہنچتا ہے اور کے اداروں پر دین کی حقیقت فاش کرنے میں اور ان کے کارکنوں پر اور ان کے حامیوں پر اتمام حجت کرنے میں بہت شدید کاوٹیں پیدا ہوتی ہیں اور ظاہر ہے کہ اس نقصان کو کوئی بڑے سے بڑا فائدہ پورا نہیں کرسکتا! مومنین صالحین کے لیے لازم ہے کہ اپنے جن اصولوں کو وہ کسی سوسائٹی سے منوانا چاہتے ہیں ٹھیک انھیں کے مطابق وہ ہر شخص اور ہر ادارے سے اپنے معاملات کو سرانجام دیں اور اس طرح زبان اور عمل دونوں طاقتوں سے ہر اس باطل پر ضرب لگائیں جو سوسائٹی کے کسی بھی گوشہ میں پایا جائے۔ تاجر باطل کی منڈی پر ضرب لگائے، زمیندار باطل کی زمینداری پر ضرب لگائے، سرمایہ دار باطل کی مہاجنی پر ضرب لگائے، قانون دان باطل کے کاروبار قانون پر ضرب لگائے، عالم باطل کے علوم پر ضرب لگائے، مصنف باطل کے فن تحریر پر ضرب لگائے، اخبار نویس باطل صحافت پر ضرب لگائے، مقرر باطل کے اسٹیج پر ضرب لگائے، لیڈر باطل کی سیاست پر ضرب لگائے اور یوں سوسائٹی کے پورے ہنگامہ خانے میں حق و باطل کی ایسی کشمکش برپا ہو جو حق کے غلبہ پر ختم ہو! اس ساری کشمکش میں آخر بنک اور سود خواروں کے شیطانی ادارے ہی کیوں ایک طرف بچے رہ جائیں اور حق کی ضربوں سے انھیں ہی کیوں کوئی حصہ نہ ملے؟ صداقت کا کوئی تیر انھیں کی قسمت میں کیوں نہ ہو؟ یہی کیوں اپنے امن چین میں مگن رہ جائیں؟ انھیں کے لیے یہ بدنصیبی کیوں ہو کہ اللہ کے بندے انھیں زبان سے باطل کہنے پر اکتفا کریں اور عمل سے باطل کہنے پر تیار نہ ہوں؟ آخر آپ باطل کے دماغ اور اس کے دل اور جگر اور اس کے [illegible] اور بازوؤں کو بھی سمجھتے ہیں، مگر بنک جو اس کے معدہ کی حیثیت رکھتا ہے ایک سے سارے بدن میں کیوں پاک قرار دیتے ہیں کہ وہ اپنے نگلے ہوئے نوالوں میں سے اگر کوئی لقمہ برضا و رغبت اگل دیتا ہے تو آپ لپک کے اسے اٹھا لیتے ہیں؟

یہ غلط فہمی ہے کہ بنک سے سود لینا اس کے ضعف کا ذریعہ ہے، یہ بنک کی تقویت کا ذریعہ ہے اور یہ ٹھیک تعاون ہے بنک کی ساری مشنری کے ساتھ! اور اس کی وجہ یہ ہے کہ بنک جس اصل الاصول پر چلتا ہے، سود لینے والا اس اصل الاصول کو تقویت دیتا ہے! بنک کے ادارے سے عدم تعاون کی راہ یہ ہے

اس کے اصل الاصول کی من کل الوجوہ کی تردید کی جائے اور اس کے سارے سودی بزنس کو نہ تو زبان سے حق مانا جائے نہ عملاً اس سے کوئی رابطہ اور کوئی تعاون رکھا جائے! یہ بات ایسی ہی ہے جیسے یہ بات کہ حکومت باطل کا دشمن وہ نہیں ہے جو اصل الاصول کو مان کر اس کا پرزہ بنتا ہے اور بزعم خویش یہ سمجھتا ہے کہ وہ ایک چلتے نظام کے اندر گھس کر اسے نقصان پہنچائے گا۔ بلکہ اس کا اصل دشمن وہ ہے جو نہ نظری طور پر اس کے اصول کو برحق مانتا ہے، نہ عملاً اس کے نظام میں کوئی حصہ لیتا ہے اور نہ اس کی طاقت میں کمی لانے کے زعم میں اس کی کرم فرمائیوں سے استفادہ کرتا ہے!

اسلام اور تلوار

سوال:۔ ترمذی کی روایت ہے کہ اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰی یَشْهَدُوْا اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه۔ (یعنی مجھے لوگوں سے جنگ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہاں تک کہ وہ شہادت دیں کہ اللہ کے سوا اور کوئی الٰہ نہیں)۔

یہ حدیث آیات قرآنی مثلاً "لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ" اور "مَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ" اور "وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ" سے متعارض معلوم ہوتی ہے۔ اس تعارض کو دور فرما دیجیے۔

جواب: انبیاء علیہم السلام جب قوم کی طرف بھیجے جاتے ہیں ان پر وہ پہلے پوری طرح اتمام حجت اور تبلیغ کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس دنیا میں رہتے ہوئے ہدایت و رہنمائی کے لیے جو کچھ کیا جا سکتا ہے وہ سب کچھ یہ پورا کر دیتے ہیں۔ اس میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑتے۔ اس کے بعد اگر کوئی چیز باقی رہ جاتی ہے تو وہ صرف یہ ہے کہ غیب کے پردے اٹھا دیے جائیں اور تمام حقائق کا برائی العین مشاہدہ کرا دیا جائے لیکن اس طرح کا کشف حجاب اللہ تعالیٰ کی اس سنت کے خلاف ہے جو اس دنیا میں جاری ہے۔ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی عقل اور ارادہ کا امتحان کیا ہے اس وجہ سے اس کا مطالبہ یہ ہے کہ لوگ عقل سے سمجھ کر ایمان لائیں نہ کہ آنکھوں سے دیکھ کر۔ اس مقصد کے لیے انبیاء کے ذریعہ سے اس بات کا پورا پورا اہتمام کیا جاتا ہے کہ عقل کو جس قدر روشنی پہنچانی ضروری ہے وہ پہنچا دی جائے۔ چنانچہ جو شخص کسی قوم میں نبی بنا کر بھیجا جاتا ہے،

اپنی سیرت کے لحاظ سے ان کے اندر کا بہترین آدمی ہوتا ہے تاکہ لوگ اس کے اوپر اعتماد کر سکیں۔ وہ ان کی زبان میں ان کو حق کی تبلیغ کرتا ہے تاکہ ہر شخص بے تکلف اس کی بات کو سمجھ سکے۔ وہ جو کچھ کہتا ہے خود بھی اس پر عمل کر کے دکھاتا ہے تاکہ لوگوں پر حقیقت واضح ہو جائے کہ اس حق پر عمل کرنا ممکن ہے نیز یہ کہ جو شخص دعوت دے رہا ہے کوئی مکر و فریب نہیں کر رہا ہے بلکہ وہ جس بات کا داعی ہے اسی پر خود بھی عامل ہے۔ قوم کے اندر سے بہتوں کی اصلاح کر کے، اور ان کو راہ حق پر چلا کر نیکی اور راستبازی کی زندگی کا وہ عملی مظاہرہ بھی کر دیتے ہیں تاکہ ہر شخص دعوت حق کی حقیقت کو آنکھوں سے بھی دیکھ لے۔ اس کے علاوہ لوگوں کی طلب پر انبیائے کرام معجزے بھی دکھاتے ہیں تاکہ اتمام حجت کی کوئی شکل باقی نہ رہ جائے۔ جس قوم کے اندر حضرات انبیائے کرام یہ سب کچھ کر چکتے ہیں اور اس کے باوجود لوگ اپنی ضد پر اڑے رہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان سے دو طرح کا معاملہ کیا جاتا ہے۔ اگر اکثریت کفر پر اڑی رہ جاتی ہے اور صرف گنتی کے چند نفوس ایمان لاتے ہیں تو ایسی صورت میں خدا کی طرف سے کوئی عذاب آتا ہے جو اہل ایمان کو بچو کر بقیہ پوری قوم کو تباہ کر دیتا ہے اور اگر ایمان لانے والوں کی تعداد کفر کرنے والوں کی تعداد کی طرح معتد بہ ہوتی ہے تو ایسی صورت میں اہل ایمان کو حکم دیا جاتا ہے کہ وہ اہل کفر کے مقابل میں تلوار اٹھائیں اور طاقت کے زور سے ان کو حق کی اطاعت پر مجبور کریں۔

تلوار اٹھانے کا یہ کام اس وقت ہوتا ہے جب تبلیغ اور اتمام حجت کا فرض جس حد تک ادا ہونا ہے ادا ہو چکتا ہے۔ اس فرض کے ادا ہو جانے کے بعد اسلام تلوار اٹھانے کو بالکل جائز قرار دیتا ہے اس کو جبر نہیں تسلیم کرتا۔ اور غور کیجیے تو اس میں جبر کا کوئی پہلو نہیں ہے۔ جس شخص پر حق کو پوری طرح واضح نہیں کیا گیا ہے بلاشبہ اس شخص کے سامنے اگر تلوار اور اسلام رکھ دیے جائیں اور اس سے مطالبہ کیا جائے کہ اسلام لا ورنہ تیرے لیے یہ تلوار ہے تو یہ اس پر جبر ہوگا لیکن جس شخص کے سامنے نبی نے اگر حق کو واضح کیا ہے اور اس کے باوجود بھی وہ ایمان نہیں لایا تو اب توضیح حق کی وہ کونسی صورت باقی رہ گئی ہے جو اس کے لیے اختیار کی جا سکتی ہے: اس وجہ سے خدا کا قانون ایسے لوگوں کو اتمام حجت کے بعد کوئی مہلت نہیں دیتا۔

لیکن یہ اچھی طرح یاد رکھنا چاہیے کہ یہ معاملہ صرف ان لوگوں کے ساتھ کیا جاتا ہے جن کی طرف نبی کی

بعثت براہ راست ہوتی ہے۔ وہ لوگ اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہیں جن کی طرف نبی کی بعثت بالواسطہ ہوتی ہے۔

ترمذی کی جس حدیث کا آپ نے حوالہ دیا ہے، اس کا تعلق خاص کر بنی اسمٰعیل سے ہے اور حدیث میں الناس کا لفظ انہی لوگوں کے لیے ہے جو کہ عام لوگوں کے لیے۔ بنی اسمٰعیل کے لئے بے شک یہی بات تھی کہ تبلیغ اور اتمام حجت کے بعد ان سے عام اعلان برأت ہوگیا اور ان کے لیے دو شکلیں باقی رہ گئیں یا تو اسلام قبول کریں یا تلوار۔ ان کے سوا بقیہ قومیں مثلاً یہود، نصاریٰ، مجوس یا دوسری اقوام (جو آنحضرت کے زمانہ میں تھیں یا اب ہوں گی) ان کی طرف آنحضرت صلعم کی بعثت آپ کی امت کے واسطہ سے تھی اور ہے۔ اس وجہ سے ان لوگوں کے لیے اسلام اور تلوار کے سوا ایک شکل جزیہ کی بھی تھی (اور وہ اب بھی باقی ہے) یعنی اسلامی حکومت کے اندر بحیثیت رعایا کے ان کو رہنے کی اجازت دی گئی۔ یہی طریقہ مسلمانوں نے ان اقوام کے بارہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی اختیار کیا اور یہی طریقہ اب قیامت تک غیر مسلم قوموں کے ساتھ اسلامی حکومت اختیار کرے گی یعنی یا تو ان کو اہل کتاب قرار دے کر ان کے ساتھ اہل کتاب کا سا معاملہ کرے گی یا شبہ اہل کتاب قرار دے کر ان کے ساتھ شبہ اہل کتاب کا معاملہ کرے گی۔ اس کو یہ حق نہیں حاصل ہوگا کہ وہ کسی قوم کے سامنے تلوار اور اسلام رکھ دے اور ان سے ان میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کا مطالبہ کرے۔ یہ چیز صرف منکرین بنی اسمٰعیل کے لیے تھی اور ان کا معاملہ ختم ہوگیا۔

ترمذی کی اس حدیث کی توضیح تھی جس کا جناب نے حوالہ دیا ہے (امرت ان اقاتل الناس حتیٰ یشھدوا ان لا الٰہ الا … الحدیث) باقی رہیں وہ آیات جن کا آپ نے ذکر فرمایا ہے تو ان میں سے لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ کا مطلب تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا طریقہ یہ نہیں ہے کہ وہ لوگوں کے دلوں میں اپنی مشیت اور قدرت کے زور سے دین کو ٹھونس دے بلکہ اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنے نبیوں کے ذریعہ سے لوگوں کے سامنے حق کو پیش کرتا ہے اور ان کو اختیار دے رکھا ہے کہ وہ چاہے اپنی پسند سے کفر کو اختیار کریں یا ایمان کو اختیار کریں۔ انسان اپنی فطرت کے لحاظ سے ان دونوں چیزوں میں سے کسی چیز پر مجبور نہیں کیا گیا ہے۔

آیات وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ الآیۃ کا مطلب یہ ہے کہ نبی پر صرف تبلیغ اور دعوت کی ذمہ داری ہے۔ لوگوں کے ایمان لانے کی ذمہ داری اس پر نہیں ڈالی گئی ہے اور قیامت کے دن منکروں کے

انکار کا کوئی مواخذہ اس سے ہرگز نہ ہوگا۔

ان آیات سے یا تو جبرِ فطری کی نفی ہوتی ہے یا اس کی وضاحت ہوتی ہے کہ نبی کی ذمہ داری لوگوں کے کفر و ایمان سے متعلق کس حد تک ہے۔ ان سے کسی طرح یہ بات نہیں نکلتی کہ اقامتِ دین کی راہ میں کسی مرحلہ پر طاقت کا استعمال نہ کیا جائے یا تلوار نہ اٹھائی جائے بلکہ صرف وعظ کیے جائیں۔ اب بلاشبہ ہم کسی شخص پر اسلام قبول کرنے کے لیے تلوار نہیں اٹھائیں گے لیکن دنیا سے فتنہ و فساد کو ختم کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ اہلِ باطل کے ہاتھوں سے طاقت چھین کر ان کو حق کا محکوم کیا جائے۔ اور اگر ضرورت پیش آئے تو اس مقصد کے لیے تلوار بھی استعمال کی جائے۔

نظامِ باطل میں نوکری کے جواز کے بعض دلائل اور ان کا جواب

سوال:- میرے ارادہ ترک ملازمت سے جب عزیزوں کو پوری آگاہی ہو گئی تو سب نے باری باری نصیحت کی کہ ملازمت مت چھوڑو، بلکہ انصاف اور ایمانداری سے اسے جاری رکھو تو کچھ ہرج نہیں۔ ایک قریبی رشتہ دار نے تو یہ مشورہ دیا کہ رفاہِ عام کے ایک محکمہ کی ملازمت کرنے میں تو کچھ گناہ ہے ہی نہیں، جس کو ان کے خیال کے مطابق جماعت اسلامی بھی جائز قرار دیتی ہے۔

پھر یہ کہا گیا کہ تم اگر آج سعاً ملازمت ترک کر دو تو تم پر لامحالہ اقتصادی مشکلات ٹوٹ پڑیں گی اور کچھ تبلیغ تم سے ہو بھی نہ سکے گی، یوں بھی تم کچھ اچھے مبلغ نہیں بن سکتے، بہتر تو یہ ہے کہ ملازمت کرتے رہو اور سو پچاس روپیہ مہینہ پر کسی عالم کو تبلیغ پر مقرر کر دو۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ترک ملازمت کے بعد آبائی جائداد کو اگر شرعی اصولوں پر تقسیم کیا گیا تو اس پر موجودہ معیار کی گذران ہرگز نہ ہو سکے گی۔ نیز یہ خوف بھی دلایا گیا ہے کہ اگر زمینداری کی طرف تم متوجہ ہوئے تو پٹواریوں، تحصیلداروں اور پولیس کے افسران سے جب واسطہ پڑے گا تو معلوم ہوگا کہ ادھر ملازمت سے بھی زیادہ تلخ غلامی ہے۔ یہاں یا تو نظام باطل کے ان کارندوں کا اصول ماننا پڑے گا یا پھر ان کی دست درازیوں سے نقصان پر نقصان اٹھاؤ گے اور عدالت میں بھی چونکہ تمہیں جانا نہیں ہے لہٰذا کوئی داد فریاد

کی گنجائش نہیں۔ پس چپ چاپ ملازمت کرو اور ایمانداری اور دیانت سے کرو، رشوت نہ لو، نیکی اور پرہیزگاری اختیار کرو۔ یہی بہتر ہے!

پھر لوگ کہتے ہیں کہ ملازمت محض اس بھروسہ پر تم ترک کرنا چاہتے ہو کہ باپ کی بنائی ہوئی جائداد موجود ہے، حالانکہ تم جیسا طریقہ اگر تمہارے والد نے بھی اختیار کیا ہوتا تو یہ جائداد ہی نہ بنی ہوتی۔ نیز جو شخص دوسرے کی کمائی کے بل پر ایماندار بننا چاہتا ہے اس کا اپنا کمال کیا ہوا۔ بات تو جب ہے کہ اپنے اور اپنے بیوی بچوں کے لیے تم خود جائز ذرائع سے کمائی کر کے دکھاؤ، پھر ہم مانیں گے کہ یہ ایمانداری ہے۔ بنی بنائی چیز پر بیٹھ کر دعوت حق دینا آسان ہے۔ اب واقعہ یہی ہے کہ والد کے چھوڑے ہوئے مکان اور زمین کے سوا میرے پاس کوئی اور اثاثہ نہیں ہے کہ اس پر گزر کروں یا اسے کاروبار میں لگاؤں۔

واعظ یہ وعظ بھی کہا جاتا ہے کہ ملازمت کرتے ہوئے تو تم لٹریچر بھی خرید سکتے ہو، جماعت اسلامی کو چندہ بھی دے سکتے ہو اور اس کے اجتماعات میں بھی شریک ہو سکتے ہو، مگر یہ ذریعہ ترک ہوا تو روٹی ہی کی فکر میں ساری توجہ صرف کر دو گے۔ آدمی کے لیے مناسب یہی ہے کہ پہلے روٹی کا انتظام تسلی بخش سا کر لے تو پھر دوسری باتوں کی طرف مستقل مزاجی کے ساتھ متوجہ ہو۔

میرے ناصحین میں سے یہ تو ہر شخص تسلیم کرتا ہے کہ ملازمت سرکار کی روزی اچھی روزی نہیں، مگر اسے حرام کوئی نہیں مانتا۔ اسی وجہ سے سب کا زور اسی ایک نکتہ پر ہے کہ پہلے کوئی دوسرا روزگار فراہم کرو تو پھر اسے چھوڑ دینا۔

گھر میں دو تین روز کی رخصت انہیں بحثوں اور الجھنوں میں گھرے ہوئے گزاری، اب میں مرکز سے رہنمائی چاہتا ہوں، ان سارے شکوک و اعتراضات اور مشوروں پر اگر روشنی ڈالی جائے تو اچھا ہو، نیز مجھے یہ بتایا جائے کہ میں اب کیا قدم اٹھاؤں؟

جواب:- آپ کے ملازمت ترک کرنے اور نہ کرنے کا سوال خود آپ ہی کے حل کرنے کا ہے۔ اس بارہ میں ہم جو کچھ کہتے ہیں یا کہہ سکتے ہیں اس کی حیثیت محض اصولی ہوگی۔ اگر وہ ساری باتیں آپ کے

پیش نظر ہیں جو اس باب میں ہم کہہ چکے ہیں اور اصولاً آپ ان کو صحیح سمجھتے ہیں تو یہ فیصلہ کرنا خود آپ کا کام ہے کہ آپ ان پر عمل کر سکتے ہیں یا نہیں اور اگر کر سکتے ہیں تو کس حد تک؟ البتہ اس سلسلہ میں آپ نے اپنے ہوا خواہوں اور عزیزوں کے جو دلائل ملازمت کی حمایت میں نقل کیے ہیں وہ کوئی وزن نہیں رکھتے اور آپ پر بادنیٰ توجہ ان کی کمزوری خود واضح ہو سکتی ہے۔

کسی نظام باطل کے مختلف اجزا اپنے ضرر اور فساد کے اعتبار سے مختلف درجہ کے ہو سکتے ہیں اور ہوتے ہیں۔ کسی کا ضرر کم ہوتا ہے، کسی کا زیادہ۔ لیکن ان میں سے کوئی جزو بھی ضرر اور فساد سے پاک نہیں ہو سکتا اس وجہ سے ان میں سے کسی کے ثواب یا جائز ہونے کا فتویٰ نہیں دیا جا سکتا۔ کسی نظام اجتماعی کے اجزاء پر جو حکم لگایا جاتا ہے وہ درحقیقت اس مجموعی مقصد کو پیش نظر رکھ کر لگایا جاتا ہے جو اس نظام اجتماعی سے پورا ہو رہا ہے یا جس کو پورا کرنا اس کے پیش نظر ہے، نہ کہ اس کے کسی ایک جزو کو سامنے رکھ کر۔ عیسائی مشنری اپنے مشن کی توسیع کے لیے بہت سے ایسے کام کرتے ہیں جو بظاہر نہ صرف نہایت بے ضرر بلکہ نیکی اور خدمت خلق کے کام ہوتے ہیں۔ مثلاً شفاخانوں اور تعلیمی اداروں کا قیام۔ لیکن ان ساری چیزوں سے ان کا مقصود محض خلق کو اس ضلالت کے قریب لانا ہوتا ہے جس کے وہ داعی ہوتے ہیں اس وجہ سے یہ کام اسلامی نقطہ نظر سے نہ تو نیکی کے کام قرار دیے جا سکتے اور نہ کسی مسلمان کے لیے یہ بات جائز ہو سکتی کہ کسی نوعیت سے ان کو قوت اور مدد پہنچائے۔ دنیا کا کوئی فاسد سے فاسد نظام بھی ایسا نہیں ہو سکتا جس کے بعض اجزاء صالح یا کم از کم بے ضرر نہ ہوں لیکن ان اجزا کی وجہ سے نہ تو یہ بات جائز ہو سکتی کہ اس پورے نظام کو جائز قرار دے کر اس کے ساتھ تعاون کیا جائے اور نہ یہی بات جائز ہو سکتی کہ ان صالح اجزا کے حد تک اس کے ساتھ تعاون کیا جائے اور بقیہ سے اجتناب کیا جائے۔ ایک سادہ دل آدمی کو بظاہر اس میں کوئی ہرج نہیں معلوم ہوتا لیکن حقیقت میں یہ بہت بڑا دھوکا ہے۔ اگر یہ اصول صحیح مان لیا جائے تو پھر دنیا میں کسی باطل سے باطل نظام کے خلاف بھی کوئی اجتماعی جدوجہد جاری نہیں کی جا سکتی کیونکہ بہت سے لوگ اس کے بعض اجزاء کو صالح قرار دے کر اس سے چمٹے رہنے کو نہ صرف جائز بلکہ ثواب قرار دے لیں گے۔ اور اس طرح ہر باطل نظام اپنے بعض اجزائے صالحہ کی وجہ سے

اپنے جواز و استقرار کی ایک دلیل پیدا کرے گا۔ پس اسلامی نقطۂ نظر سے دیکھنے کی چیز صرف یہ ہے کہ ایک نظام اجتماعی بحیثیت مجموعی کس مقصد کو پورا کر رہا ہے۔ اگر وہ خدا کی زمین میں خدا کے احکام کو نافذ کر رہا ہے تو اس کے ساتھ ہر طرح کا تعاون نہ صرف جائز بلکہ مستحسن ہے اگرچہ اس کے تحت اس کے بعض اجزاء ناقص اور فاسد بھی ہوں۔ اس کے برخلاف اگر کوئی نظام خدا سے بغاوت کی بنیاد پر قائم ہو تو وہ پورا کا پورا فاسد ہے اگرچہ اس کے تحت بعض نیکی اور رفاہ عام کے کام بھی ہو رہے ہوں۔ پس موجودہ نظام طاغوت کے ساتھ وابستگی قائم رکھنے کے لیے یہ دلیل کچھ وزنی نہیں ہے کہ آپ اس کے جس شعبہ سے تعلق رکھتے ہیں وہ صالح ہے۔ اگر مفسدین فی الارض کی کوئی فوج زمین میں خونریزی اور فساد کے لیے اٹھے اور وہ کچھ لوگوں کو اس لیے بھرتی کرے کہ یہ لوگ وقت پر اذان اور نماز کا اہتمام کریں تو گو نماز اور اذان نیکی اور تقویٰ کے کام ہیں لیکن جو لوگ اس کے لیے اپنی خدمات پیش کریں گے وہ بھی مفسدین کے حکم میں داخل ہوں گے اور ان کی کمائی حرام کی کمائی ہوگی۔ مکہ میں قریش کا جو جاہلی نظام قائم تھا اس کے سارے شعبے نجس نہ تھے بلکہ اس کے بہت سے شعبے ایسے تھے جن کے اچھے ہونے کا قرآن نے بھی اعتراف کیا ہے مثلاً سقایہ (حاجیوں کو پانی پلانے کا شعبہ) رفادہ (غرباء کی اعانت کا شعبہ)۔ لیکن اس کے باوجود قرآن نے اس پورے نظام کو فاسد قرار دے کر اس کے خلاف مسلمانوں سے جہاد کا مطالبہ کیا اور کسی ایک مسلمان کو بھی اس بات کی اجازت نہ دی کہ وہ ان کے ساتھ وابستہ رہے۔

دوسری بات جو وہ کہتے ہیں وہ بھی کچھ اہمیت نہیں رکھتی۔ خدا کے دین کو جس چیز کی ضرورت ہے وہ آدمی کا دل ہے نہ کہ اس کا مال۔ کسی شخص کا مال خدا کے ہاں قبول ہی نہیں ہوتا جب تک وہ خدا کی جائز کی ہوئی راہوں سے کما کر اس کی راہ میں نہ خرچ کیا جائے۔ اس وجہ سے آپ اگر مال سے خدا کے دین کی کوئی خدمت کرنا چاہتے ہیں تو اس کے لیے بھی ضروری ہے کہ پہلے آپ اپنی کمائی کو پاک کریں۔ جو لوگ اپنی خدمات طاغوت کا بول بالا کرنے کے لیے وقف کیے ہوئے ہیں اور اس کے بخشے ہوئے مال میں سے کچھ خرچ کر کے ایک مبلغ اللہ کے دین کی تبلیغ کے لیے بھی نوکر رکھ دیتے ہیں وہ اپنے زعم میں ممکن ہے کوئی نیکی کا کارنامہ انجام دے رہے ہوں لیکن اللہ کے ہاں اس دینداری کی کوئی پوچھ نہیں ہے۔

موجودہ زمانہ میں بلاشبہ زمینداری کے اندر بھی ہزار آفتیں ہیں لیکن ایسی نہیں ہیں کہ آدمی کے لیے ان سے بچنا ناممکن ہو۔ ایک شخص اس زمانہ میں ایمانداری کے ساتھ زمینداری کا کام کرے تو اسے نقصانات اٹھانے کا اندیشہ ہے لیکن ایک خدا ترس انسان خدا سے بغاوت کے مقابلہ میں بہرحال ان نقصانات کو اہون سمجھے گا۔

طاغوت کی ملازمت ایمانداری کے ساتھ اور رشوت سے بچ کر کرنا ایک بالکل بے معنی سی بات ہے اس کی وجہ سے ایک باطل جز حق تو ہونے سے رہی البتہ ایک مغالطہ آپ کو اپنی "نیکی اور پرہیزگاری" کا ہو جائے گا اور اس رشوت نہ لینے اور بے ایمانی نہ کرنے کا سارا فائدہ باطل کو حاصل ہوگا نہ کہ حق کو۔

آپ اگر ملازمت صرف اس وجہ سے ترک کر رہے ہیں کہ آپ کے پاس آپ کے باپ کی چھوڑی ہوئی جائداد موجود ہے تب تو بلاشبہ یہ ترک ملازمت کوئی نیکی کا کام نہیں ہے لیکن اگر آپ ملازمت کو اس وجہ سے چھوڑ رہے ہیں کہ یہ شریعت کے خلاف ہے اور آپ کے باپ کی جائداد ہوتی یا نہ ہوتی بہرصورت اس باطل کو آپ چھوڑتے ہی تو آپ کو ان لوگوں کے طعنے سے شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ ایک غلط طعنہ کی وجہ سے نہ آپ کو باطل کے ساتھ چمٹے رہنا چاہیے نہ اپنے ایک حق سے فائدہ اٹھانے سے گریز کرنا چاہیے۔ اس جائداد کے ہوتے ہوئے اگر آپ ایک باطل ذریعہ معاش پر قانع رہیں تو ممکن ہے قیامت کے روز آپ سے یہی سوال ہو کہ جب تم کو ایک جائز ذریعہ معاش خدا نے دیا تھا تو تم اس کے ہوتے ہوئے ایک باطل ذریعہ معاش پر کیوں قانع رہے؟

یہ بات اصولی حیثیت سے غلط ہے کہ ہر بات سے پہلے روٹی کے مسئلہ کو طے کرنا ضروری ہے۔ روٹی کا مسئلہ انسان کی زندگی میں اہمیت ضرور رکھتا ہے لیکن اس درجہ نہیں کہ مذہب و شریعت کے سارے اصول اس کے پیچھے ڈال دیے جائیں۔ جو لوگ آپ کو اس نقطۂ نظر سے مشورہ دے رہے ہیں وہ انسان کی قدر و قیمت سے مطلق واقف نہیں ہیں۔ وہ انسان کے اندر اصلی عنصر صرف پیٹ کو سمجھتے ہیں اور عقل و اخلاق اور انسانیت و مروت کے الفاظ ان کے نزدیک بے معنی ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ جو لوگ اس قدر سطحی ہیں ان کے مشوروں سے آپ کو کوئی صحیح رہنمائی ہرگز حاصل نہیں ہو سکتی۔ ان لوگوں

کو پہلے تو انسان کی قدر و قیمت سمجھایئے کہ وہ ایک مجرد حیوان نہیں ہے بلکہ وہ ایک عقلی اور اخلاقی ہستی بھی رکھتا ہے۔ ثانیاً یہ سمجھایئے کہ "فارغ ہو کر مطالعہ کرنے" سے مقدم آدمی کے لیے اس بات پر غور کرنا ہے کہ مطالعہ کے لیے یہ فراغت کہیں اکل حرام اور خدمت باطل کے معاوضہ میں تو حاصل نہیں کی گئی ہے اور "چندہ دینے" سے پہلے آدمی کو یہ سوچنا پڑتا ہے کہ یہ چندہ وہ ناجائز ذریعہ آمدنی سے تو نہیں دے رہا ہے!

ظلم صغیر سے بچنے کے لیے ظلم کبیر سے استمداد

سوال: "غیر اسلامی حکومت کے ذریعہ تحصیل زکوٰۃ" کا سوال و جواب ترجمان ج ۲۹ ۔ ع ۴ میں پڑھ کر ایک سوال یہ پیدا ہوا ہے کہ کافر حکومت کے تحت ایک قوی مسلمان ضعیف مسلمان کو ستائے تو وہ حکومت کی پناہ لے سکتا ہے یا نہیں، نیز ظالم سے بدلہ لینے کا حق رکھتا ہے یا نہیں، ظاہر ہے کہ ظلم کو روکنا ضروری ہے۔ بعینہٖ اسی طرح جو امراء غرباء کے حصہ کا مال زکوٰۃ دبائے بیٹھے ہیں، وہ بھی تو ظلم کر رہے ہیں، تو پھر اگر غیر اسلامی حکومت کے ذریعہ سے اس ظلم کا دروازہ بند کیا جا سکے تو غرباء مساکین کیوں نہ اس کی طلب کریں؟ اور اس طرح سے جو زکوٰۃ ادا ہو گی وہ شرعاً کیوں ادا شمار نہ ہو؟

غیر مسلم حکومت کی اطاعت کرنا اگر حرام ہے تو ہم مسلمان جو اس کے تحت رہتے ہیں، ہم پر بالجبر اس کا حکم ڈالا ہے۔ اطاعت تو ہو ہی رہی ہے، پھر ظلم سے بچنے اور اپنے حقوق لینے کے لیے عوام اس حکومت کی مدد لے کر کتنے ایک زیادہ گنہگار ہو جائیں گے!

جواب: غیر اسلامی حکومت بجائے خود ایک ظلم کبیر ہے۔ اس ظلم کبیر کو کسی ظلم کبیر کے مٹانے کا ذریعہ بنانا مضحکہ انگیز بھی ہے اور ایک کھلی ہوئی حماقت بھی۔ کسی نجاست کو اگر دور کرنا ہو تو کوئی پاک چیز چاہیے۔ اگر کسی نجاست کو آپ نے نجاست ہی سے دھویا تو پاکی کیسے پیدا ہو سکتی ہے، البتہ نجاست میں کچھ اور اضافہ ہو جائے گا! ایک غیر اسلامی نظام کی مجبوراً اطاعت کو دلیل قرار دے کر اس بات کی کوشش نہ کیجیے کہ مسلمان اس کے تحت بعض دینی احکام کو نافذ العمل دیکھ کر اسی پر مطمئن ہو جائیں، بلکہ اس غیر اسلامی نظام کو اسلامی نظام سے بدلنے کی کوشش کیجیے۔ کسی غیر اسلامی نظام کے تحت اس کے بدلنے کی کوشش کیے بغیر ایک مسلمان کے لیے جینا حرام ہے۔